© rasailojaraid.com

ڈاکٹر سعدیہ نسیم :

مجروری "سے" کا مطالعہ

حروف ربط میں سے ایک حرف ' سے ' بھی ہے جو مجروری حالت کا اظہار کرتا ہے جیسے گھر سے نکلا۔ آلے یا سببیت کے لیے بھی آتا ہے جیسے لاٹھی سے مارا۔ محنت کرنے سے بیمار پڑا۔ "سے" کے آغاز و ارتقا کے سلسلے میں زور نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :۔

لفظ "سے" کی موجودہ شکل اردو زبان میں صرف سوا سو سال ہی سے مستعمل ہے۔ اس سے پہلے یہ لفظ "سیں" یا "سوں" کی شکل میں رائج تھا۔ چنانچہ ولی اور اس کے ہمعصروں کے کلام میں ہمیشہ "سیں" یا "سوں" نظر آئے گا۔ ولی سے تقریباً پچاس سال پہلے یہ لفظ "ستیں" کی شکل میں رائج تھا۔ چنانچہ قطب شاہی سلطنت کے عہد آخر کے شاعروں کا کلام اس کا شاہد ہے۔ ابوالحسن تانا شاہ اور اورنگ زیب عالمگیر کے معاصر غلام علی کی نظم کا ایک مصرع ہے : بھلائی ستے تو بھلا پائے گا۔ غلام علی سے پچاس سال قبل اس لفظ میں 'س' کی آواز موجود نہیں تھی۔ اس زمانے کے گولکنڈہ کے بسنے والے 'مجھ سے کہا' کی جگہ "مجھ تھے کہا" کہتے تھے۔ چنانچہ مشہور قطب شاہی بادشاہ محمد قلی اور اس کے درباری شعرا کے کلام میں لفظ 'تھے' ہی نظر سے گزرتا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہد سے پہلے یہ لفظ "تے" کی شکل میں رائج تھا۔ وجہی، جس نے ابراھیم قطب شاہ کے زمانے سے شاعری میں شہرت حاصل کرلی تھی اکثر "تے" لکھتا ھے۔ وجہی سے پہلے تمام اردو تحریروں میں بھی "تے" ھی ملتا ھے۔ چناں چہ حضرت خواجہ بندہ نواز رح سے جو اردو نثر منسوب ھے اور جو ان کی نہیں تو ان کے قریبی زمانے کی ضرور ھے اس میں بھی "تے" ھی لکھا گیا ھے۔ اس وقت تک جس کتاب کو اردو زبان کی قدیم ترین نظم سمجھا جاتا ھے وہ میاں خوب محمد گجراتی کی "خوب ترنگ" ھے۔ اس میں چند مقامات پر حرف "تھیں" استعمال کیا گیا ھے۔ اس تفصیل سے ظاھر ھوا کہ لفظ "سے" کی صوتی شکل مختلف زمانوں اور مقامات پر بدلتی گئی اور جو لفظ در اصل پہلے "تھیں" یا "تے" تھا وہ "تھے"، "ستے"، "ستیں"، "سوں" اور "سیں" ھوتا ھوا آخرکار "سے" بن گیا۔ ۱

زور کی محولہ بالا تحریر سے مجروری "سے" کے ارتقائی مدارج کا جو نقشہ بنتا ھے وہ یہ ھے:

خوب محمد گجراتی کے زمانے میں صرف حرف 'تھیں' استعمال ھوتا تھا۔ ان کے بعد کے زمانے میں خواجہ بندہ نواز رح سے منسوب اردو نثر ۲ وجہی اور ان کے معاصرین کی تحریر میں صرف "تے"

۱۔ محی الدین قادری زور: "ھندوستانی لسانیات"، لاھور، منصور پریس، ۱۹۶۱ع ص: ۴۲ تا ۴۴ ملخصاً۔

۲۔ یہ کتاب (معراج العاشقین) خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رح کے بہت بعد کی تصنیف ھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ھو: نظامی کی "مثنوی کدم راؤ پدم راؤ"۔ مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی، کراچی، ۱۹۷۳ع کا مقدمہ مرتب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعمال ہوا۔ اس کے بعد محمد قلی قطب شاہ اور اس کے درباری شعرامیں یہ لفظ 'تھے' کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس خصوصیت کو زور نے گولکنڈہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس وقت اس میں 'س' کی آواز موجود نہیں تھی۔ جب کہ اس دور کے بعد اس میں "س" کی آواز شامل ہوگئی، اور "تھے" نے "ستے" کا روپ اختیار کرلیا۔ غلام علی (معاصر عالم گیر) اور قطب شاہی سلطنت کے عہد آخر کے شعراء صرف 'ستے' اور 'ستیں' استعمال کرتے ہیں۔ اس کے پچاس سال بعد پھر اس میں مزید تغیرات رونما ہوتے ہیں اور ولی کے زمانے میں 'ستے' اور 'ستیں' تبدیل ہوکر 'سیں' اور 'سوں' بن جاتے ہیں۔ ولی اور ان کے معاصرین کا کلام اس کا ثبوت ہے۔

یہ دیکھنے کے لیے کہ زور کی مذکورہ بالا تحقیق کہاں تک حقیقت سے قریب تر ہے، اردو کے دستیاب ادب کا تاریخی ترتیب کے ساتھ جائزہ لینا ہوگا۔

دکنی ادب کے سلسلے میں اول ولی کو لیتے ہیں۔ زور کا کہنا ہے کہ ولی اور ان کے معاصرین کے یہاں صرف 'سیں' اور 'سوں' ملتا ہے لیکن ولی کے کلام کے درج ذیل مصرعے اس خیال کی تردید کرتے ہیں:۔

۱۔ کہتا ہے ولی دل ستی یو مصرع رنگیں۔

۲۔ سنیا ہوں جب سوں آوازہ تری روشن بیانی کا۔

۳۔ سنیا ہوں جب سوں یہ نکتہ ولی شیریں سخن سیتی۔

۴۔ کرے تا تجھ پری رو سے طلب یک بوسۂ شیریں۔ ۱

۱۔ ولی: "کلیات ولی"، مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۵۴ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا ولی کے کلام میں ستی، سوں، سیتی اور سے، پہلو بہ پہلو استعمال ہوئے ہیں۔ ولی کے معاصر قاضی محمود بحری کے یہاں 'سوں' اور 'سیتی' کے علاوہ 'تے' بھی موجود ہے مثلاً:-

۱- اے جو تجھ تے جلوہ کریو جیو ھور یو تن ھوا۔

۲- سو کیا کہ دل سوں ہے ترے دل متصل مرا۔

۳- لہروں سیتی موہ نہ کیجیے جل پر راکھیے ہوش۔ ۱

اس سے پچاس برس قبل غلام علی کے یہاں 'ستے' کے ساتھ 'سوں' بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل مصرعے دیکھیے:-

۱- بھلائی ستے تو بھلا پائے گا۔

۲- جتے حق کی توفیق سوں کوئی دھات۔ ۲

غلام علی سے پچاس برس قبل قلی قطب شاہ اور اس کے درباری شعرا کے یہاں صرف 'تھے' ہی مستعمل نہ تھا بلکہ اس کے پہلو بہ پہلو 'سیتی' اور 'سوں' وغیرہ بھی موجود ہیں۔ خود قلی قطب شاہ کے یہاں اس کا استعمال دیکھیے:-

۱- سونا بود کر کر جگت تھے گنوایا۔

۲- پہلی گھڑی سانتی کے مینھہ موتیاں سیتی نہاتی پھری۔

۳- کہ ہے منج روح تم باساں سوں زندہ۔ ۳

---

۱ قاضی محمود بحری: "کلیات بحری" مرتبہ ڈاکٹر سید محمد حفیظ، لکھنؤ، نولکشور، ص ۲۳۹، ۱۳۴، ۱۳۲، ۱۲۳۔

۲ ڈاکٹر شوکت سبزواری: "اردو زبان کا ارتقا"، طبع اول، ڈھاکہ، ۱۹۵۶ء، ص ۲۳۲۔

۳ محمد قلی قطب شاہ: "کلیات قلی قطب شاہ" مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، حیدرآباد دکن، ۱۹۴۰، ص ۹۷، ۳۷۵، ۴۳۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسن شوقی کے یہاں 'تھے' کے علاوہ 'تے'، 'سوں' اور 'سیتی' بھی ملتے ہیں جیسے درج ذیل مصرعوں میں:

۱۔ منور تمن تے یو ہے بارگاہ۔

۲۔ سکل مست ہاتھی سوں ہاتھی بھڑے۔

۳۔ تجھ نین ماتا جو کوئی تس جام ستیی کام کیا۔

۴۔ تجھ زلف تھے آپجا بھنور دوجا بھونک کالا ہوا۔ ۱

لہذا زور کا یہ خیال صحیح نہیں کہ اس زمانے میں صرف "تھے" استعمال ہوتا تھا اور اس وقت اس میں "س" کی آواز نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قلی قطب شاہ اور ان کے معاصرین کے یہاں "تھے" کے ساتھ ساتھ بعض دوسری لغات بھی استعمال ہوئیں جن میں "س" کی آواز موجود تھی۔ مزید برآں محمد قلی کے عہد سے پیشتر صرف "تے" ہی استعمال نہیں ہوا، اس کے علاوہ بھی بعض لغات ملتے ہیں۔ جہاں تک "تے" کی موجودگی کا تعلق ہے اسے وجہی کے زمانے سے مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس سے قبل اور بعد، دونوں زمانوں میں یہ استعمال موجود رہا ہے۔ وجہی اور اس کے قریبی عہد میں "تے" کے ساتھ جو دوسری لغات مستعمل رہیں، ان کا ثبوت درج ذیل نمونوں سے بخوبی ملتا ہے۔ ابن نشاطی، قطب شاھی عہد کا شاعر ہے۔ اس نے ۱۰۷۶ ھجری میں اپنی مشہور مثنوی "پھولبن" لکھی۔ اس کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

۱۔ دل و جاں سوں کہوں جاں آفریں کا

۲۔ الہی غیب کے پردے ستی توں

۱۔ حسن شوقی: "دیوان حسن شوقی"، مرتبہ جمیل جالبی، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۱۹۷۱ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ توں سورج تھا اوسی تے چھانوں تجھ نیں۔ ۱

غواصی کا ایک مصرع ہے: ترے راز سوں کوئی آگاہ نیں۔ ۲

کمال خاں رستمی بیجاپوری نے فارسی "خاور نامہ" کا دکنی اردو میں ترجمہ کیا جو ۱۰۵۹ ہجری میں اسی عنوان کے تحت پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس میں بھی "تے" کے علاوہ بعض دوسری لغات مثلاً سوں، تھے، سیتی اور ستی کا استعمال پہلو بہ پہلو ملتا ہے، جیسے:

۱۔ توں خوش حالی سوں چھوڑ اس خاک کوں۔

۲۔ اسی تھے انگے کچھ بھی گفتار نیں۔

۳۔ ہووے خلق بھی اس سیتی بہرہ مند۔

۴۔ ہلال اس وقت یوں کہیا ان ستی۔

۵۔ عقل تجھ تے دھرتے ہیں روشن رواں۔ ۳

ملا وجہی، جس نے ابراہیم قطب شاہ کے زمانے سے شاعری میں شہرت حاصل کرلی تھی، گولکنڈہ کا پہلا ملک الشعراء تھا۔ محمد قلی قطب شاہ کے دور کے اردو شعرا میں وجہی سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا۔ اس نے ۱۰۱۸ھ میں اپنی مشہور مثنوی "قطب مشتری" لکھی۔ اس کے علاوہ اردو نثر میں ایک کتاب "سب رس" ہے جسے مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمے کے ساتھ شایع کیا۔ سب رس، "قطب مشتری" کے ۲۷ برس بعد، سلطان عبداللہ قطب شاہ

۱۔ ابن نشاطی: "مثنوی پھولبن"، مرتبہ شیخ چاند ابن حسین، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۱۹۵۵ء، ص ۱، ۴، ۶۔

۲۔ شمس اللہ قادری: "اردوے قدیم"، لکھنو، نولکشور، ۱۹۳۰ء، ص ۶۵۔

۳۔ کمال خاں رستمی بیجاپوری: "خاور نامہ"، کراچی، ۱۹۶۸ء، ص ۵، ۸، ۱۵، ۲۰، ۳۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عہد میں (۱۰۳۵ھ میں) مکمل ہوئی۔۱ اس کتاب میں 'نے' کے علاوہ 'سوں' بھی ملتا ہے۔ چند جملے دیکھیے:

۱۔ اس کتاب کوں سینے پرتے ھلاسی نا۔

۲۔ خدا کی محبت سوں غرض ہے۔

'سب رس' میں 'سے' اپنی موجودہ صورت میں بھی ملتا ہے مثلاً یہ جملہ:

ایسے سے ڈرنا، بہوت پرھیز کرنا۔

اس سے پرسن ہوا ہے پرمیس۔ ۲

اب 'قطب مشتری' کے چند مصرعے دیکھیے:۔

۱۔ بنایا توں آدم کوں بھو چاؤ سوں۔

۲۔ جے چیز اپنی قدرت نے پرگٹ کیا۔

۳۔ دکھایا بقا کوں عدم میں تھے توں۔

۴۔ خدایا منجے خیر دے شر ستی۔

۵۔ کہ وہ شہ پری ہوئی ہے تجھ سیتی یار۔ ۳

---

۱ محی الدین قادری زور: "دکنی ادب کی تاریخ"، کراچی، ۱۹۶۰، ص ۶۷، ۷۱۔

۲ ملا وجہی: "سب رس"، مرتبہ مولوی عبدالحق، طبع دوم، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۵۲، ص ۹، ۱۰، ۱۴، ۳۹۔

۳ ملا وجہی: "قطب مشتری"، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۵۳ء، ص ۲، ۳، ۳، ۴، ۵۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہی سے قبل، شاہ برہان الدین جانم ۱ کے یہاں "سوں" اور "تھے" استعمال ہوا ہے، مثال کے طور پر:

۱۔ سکتا قادر قدرت سوں سمجھے تجھ کوں کوئی کیا۔ ۲

۲۔ جس تھے روشن ہوئے ضمیر۔ ۳

ان سے پیشتر شاہ علی الحسینی گانوں دھنی گجراتی (م ۹۷۳ھ) کے یہاں "سوں" استعمال ہوا ہے، مثلاً یہ مصرع:

۱۔ میں آئینہ مجھ سوں مائے۔ ۴

شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری (۹۰۲ھ) کا ایک مصرع درج ذیل ہے:

'پن پاپ' سٹ دیجے اب، شہ سوں میلا ہوئے تب۔ ۵

---

۱ شاہ برہان الدین جانم حضرت میراں جی شمس العشاق کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں، البتہ ان کی ایک نظم جو دستیاب ہوئی ہے، اس کا سن تصنیف انہوں نے خود سنہ ۹۹۰ ہجری بتایا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کا انتقال اس کے بعد ہوا ہوگا۔ زور نے لکھا ہے کہ جانم، ابراہیم عادل شاہ کے زمانے (۹۴۱ھ تا ۹۶۵ء) میں موجود تھے۔ دیکھیے ڈاکٹر محی الدین قادری زور: "دکنی ادب کی تاریخ" کراچی، ۱۹۶۰ع ص ۳۴۔

۲ مولوی عبدالحق: اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیا کرام کا کام" کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۵۷۔

۳ ڈاکٹر محی الدین قادری زور: "دکنی ادب کی تاریخ" کراچی، سنہ ۱۹۶۰ء، ص ۳۵۔

۴ شمس اللہ قادری: "اردوئے قدیم"، لکھنؤ، نولکشور، ۱۹۳۰ء، ص ۴۸۔

۵ "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" ص ۱۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھی کا ایک مصرع یہ بھی ہے ع تو کیوں من اس تھے بھاگے۔ ۱ ان کے یہاں 'سے' اپنی موجودہ صورت میں بھی موجود ہے ع ہم تو راون لوڑیں اس سے جسے ہے راون راؤ۔ ۲

ان سے ایک رسالہ نثر میں "مرغوب القلوب" ہے۔ مولوی عبدالحق نے اس کا جو نمونہ دیا ہے اس میں 'تھے' اور 'تھی' استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل جملے :

۱۔ انوں تھے بوج۔

۲۔ انوں تھی توں سن۔ ۳

شیخ بہاءالدین باجن (ولادت ۷۹۰ھ۔ وفات ۹۱۱ھ) کے یہاں 'تھی' اور 'سوں' ملتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ایسا اجالا کہاں تھی آوے۔

۲۔ عشق تو بس خیال من جیورا تجھ سوں لایا رہے۔ ۴

یہ نمونے اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ وجہی اور اس سے پیشتر ۵ کی تحریروں میں 'نے' کے علاوہ 'سوں'۔ 'تھے'۔ 'تھی'۔

۱۔ مولوی عبدالحق: "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام۔" کراچی، انجمن ترقیٔ اردو، ۱۹۷۷ء، ص ۵۱۔

۲۔ ایضاً ص ۴۸۔

۳۔ ایضاً ص ۵۱۔

۴۔ ایضاً ص ۳۳۔

۵۔ محی الدین قادری زور نے "معراج العاشقین" کو وجہی سے قبل کی اردو تحریروں میں شامل کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس میں (صرف) 'نے' استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں ہی باتیں صحیح نہیں۔ اول "معراج العاشقین" سے مثالیں ملاحظہ ہوں:-

(باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۱۸ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ستی"۔"سیتی"، حتیٰ کہ 'سے' بھی پہلو بہ پہلو استعمال ہوئے ہیں جس کے بارے میں زور نے کہا ہے کہ 'سے' کی موجودہ شکل صرف سوا سو سال ہی سے متعمل ہے۔"

زور کی تحقیق کے مطابق قدیم ترین لغت "تھیں" ہے۔ اس کے استعمال کے سلسلے میں انہوں نے خوب محمد گجراتی کی "خوب ترنگ" سے یہ مصرع نقل کیا ہے: غیرت تھیں سب کیا قبول۔ حالانکہ خوب محمد گجراتی کے یہاں "سوں" کا استعمال بھی موجود ہے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۱۷ کا)

"یعنی واجب کے انک (انکھ) سون غیر نہ دیکھنا سو۔"
"سو خالق میں تے خلق کوں اظہار کیا۔"
"اس کا معنا طلب کرنا اللہ کا فرض ہے سب فرضاں ستی اول ہے۔" معراج العاشقین مرتبہ تحسین سروری کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۱۷، ۲۲، ۳۵۔

ان نمونوں سے واضح ہے کہ "معراج العاشقین" میں صرف 'تے' ہی نہیں، 'ستی' اور 'سوں' بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ بات اب پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ "معراج العاشقین" جو کہ عرصے تک اردو کی پہلی نثری تصنیف مانی جاتی رہی ہے، نہ صرف یہ کہ اس دور کی (خواجہ گیسو دراز رح کے دور کی) تصنیف نہیں ہے بلکہ اس کے مصنف خواجہ گیسو دراز رح کے بجائے مخدوم شاہ حسینی بیجاپوری ہیں جنہوں نے گیارھویں صدی ہجری کے نصف آخر یا بارھویں صدی ہجری کے اوائل میں "تلاوۃالوجود" کے

(باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۱۹ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کا ایک مصرع ہے: دیکھ مراتب سوں اسمان ۱۔ "خوب ترنگ" کا سن تصنیف ۹۸۶ ھجری ۲ ہے۔ اس سے بھی قبل کی بعض مثالیں، مثلاً شاہ علی الحسینی گانوں دھنی (م ۹۷۳ھ)، شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری (م ۹۰۲ھ ۹۲۳ء)، شیخ بہاء الدین باجن (م ۹۱۲ھ) کے نمونے ہم نے اوپر درج کیے ہیں، جن سے زور کی رائے کی تردید ہوتی ہے۔ اس سے بھی قبل کی مثالیں دیکھنا چاہیں تو اب تک کی دستیاب دکنی تصانیف میں قدیم ترین تصنیف فخر دین نظامی کی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحقیق کے مطابق یہ مثنوی ۸۲۵ھ اور ۸۳۹ ھجری کے درمیانی زمانے کی تصنیف ہے لہذا قدامت کے اعتبار سے اسے "خوب ترنگ" پر تقدم زمانی حاصل ہے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۱۸ کا)

نام سے ایک رسالہ لکھا تھا۔ "معراج العاشقین" اسی کا خلاصہ ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:-

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ: "اردو نثر کا آغاز و ارتقا"، پاکستانی ایڈیشن، کراچی، ۱۹۷۸ء۔

"معراج العاشقین کا مصنف" از ڈاکٹر حفیظ قتیل، حیدرآباد دکن ۱۹۶۸ء، ص ۲۹، ۴۲۔

نظامی کی مثنوی: "کدم راؤ پدم راؤ" مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی، مقدمہ مرتب، ص ۳۲ تا ۳۵۔

۱ حافظ محمود شیرانی: "پنجاب میں اردو۔" لاھور، ۱۹۷۲ء ص ۲۲۶۔

۲ ایضاً ص ۲۲۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لہذا "سے" کی مختلف لغات کا قدیم ترین استعمال، اس استعمال کو قرا دیا جا سکتا ہے جو اس مثنوی میں ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مثنوی کے کچھ مصرعے یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ جو ہاتھر اپس تھی اٹھے تس اٹھائے
۲۔ بنی یار تھے یار تھے جھار جھار
۳۔ کہ اس تھیں برا کچھ نا ہیں کڈھنگ
۴۔ کہ توں بھی ہوا ایک پروار سوں
۵۔ سنو فخردیں اب کسی سنور تے
۶۔ نہ پورن لکھن تد توحید تے
۷۔ چلو پیار سیتی جو پرکور دشٹ
۸۔ مرد وہ دولنگی ہوئے دھر سیتیں ۱

یہاں چند امور لایق توجہ ہیں:-

۱۔ حرف "سے" کی قدیم ترین شکل یا استعمال "تھیں" نہیں ہے۔
۲۔ "سے" کی مختلف لغات جن کا استعمال زور نے مختلف ادوار کے ساتھ مخصوص کیا ہے، "مثنوی کدم راؤ پدم راؤ" میں ایک ساتھ استعمال ہوئی ہیں۔
۳۔ زور کا کہنا ہے کہ پہلے اس میں "س" کی آواز موجود نہیں تھی۔ غلام علی کے زمانے میں اور قطب شاھی سلطنت کے عہد آخر میں "س" کا اضافہ ہوا اور جو لفظ پہلے "تھیں"، "تے" اور "تھے" کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس دور میں "س" کے اضافے سے "ستے" اور "ستیں" بن گیا۔ لیکن مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" کے مندرجہ بالا

۱۔ فخردین نظامی: "مثنوی کدم راؤ پدم راؤ"، مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۳ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمونے اس حقیقت کا واضح ثبوت ہیں کہ "س" کی آواز بھی ابتدا ہی سے موجود رہی ہے۔ "سیتی" اور "سیتیں" کا استعمال دکنی میں قدیم سے ہے۔ ان تمام لغات کا پہلو بہ پہلو استعمال اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ ان تمام لغات کی بنیاد حرف "تھیں" نہیں ہے، نہ دوسری لغات "تھیں" کی مغیرہ حالت کہی جاسکتی ہیں۔

۴۔ "سے" کی موجودہ شکل جو زور کے نزدیک صرف سوا سو سال سے مستعمل ہے، مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" میں اس کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا استعمال کسی قریبی دور کی بات نہیں بلکہ یہ بالکل قدیم ہے، اسی موجودہ شکل میں اور انہی معنوں میں مستعمل رہا ہے۔ یہ "سے" کی قدامت کا بین ثبوت ہے۔ رہے دوسرے لغات تو ان میں سے ہر ایک، دوسرے سے الگ، آزاد حرف ہے۔ کوئی بھی ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں۔

زور نے دکنی اور گجراتی کے اختلافات کے ذیل میں ایک اور انکشاف یہ کیا ہے کہ گجراتی میں "سے" کے معنوں میں "سوئے" بھی استعمال ہوتا تھا[۱] جب کہ حقیقت یہ ہے کہ "سوے" "سے" کے معنوں میں نہیں بلکہ "سب" کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ شیخ خوب محمد چشتی گجراتی کا ایک شعر ہے۔

جتنا طالب کوں بس ہوئے — میں اس مانم کہیا ہے سوے[۲]

اس میں "سوے" وہی اور وہ "سبھی" کے معنوں میں ہے۔

۱۔ محی الدین قادری زور: "ہندوستانی لسانیات"، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۱۳۱۔

۲۔ حافظ محمود شیرانی: "پنجاب میں اردو"، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۲۲۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قطبن ۱ ایک اور شاعر ہے جو خوب محمد سے پہلے گذرا ہے۔ شیرانی نے لکھا ہے: "قطبن غالباً پہلا ہندی شاعر ہے جس نے جائسی سے بھی سینتیس سال پہلے افسانہ نگاری کی بنیاد رکھی" ناگری پر چارنی سبھا کی دریافت کردہ کتابوں میں قطبن کی تصنیف "مرگاوتی" بھی شامل ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے اس کے کلام سے جو نمونہ دیا ہے اس میں حسب ذیل شعر بھی ہے:

جیہہ کو باٹ دکھائی ہووے — پہنچے ایک نمک میں سوے ۲

اس میں بھی "سوے" کا استعمال "سب" کے معنوں میں ہوا ہے۔ خود زور نے بھی ایک مقام پر "سوئے" بمعنی "سب" لکھا ہے۔۳

زور نے 'سے' کے ارتقا کا جو نظریہ قایم کیا ہے اور جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے، وہ صرف اس صورت میں امکانی ہوسکتا تھا جب کہ وہ قدیم ہندی اور سنسکرت میں "تھیں" سے پہلے کی کوئی ایسی صورت دکھاتے جس کے بارے میں یہ تسلیم کیا جاسکتا کہ وہ "تھیں" کا ماخذ ہے اور اس واحد لفظ میں عہد بعہد تغیرات ہوتے رہے۔ اس تمام مفروضہ تراش خراش کے بعد بالآخر صرف "سے" باقی رہا، دوسرے لغات متروک ہوگئے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ انہوں نے خود اس امر کی توضیح کی ہے کہ مختلف لغات کے ماخذ

۱- قطبن کے زمانے کے تعین کے سلسلے میں شیرانی نے لکھا ہے: میرے خیال میں قطبن کا سرپرست علاءالدین حسین شاہ والیٔ بنگالہ ہوگا جس نے ۸۹۹ھ-۱۴۹۳ع سے لے کر ۹۲۵ھ-۱۵۱۸ع تک حکومت کی۔ "پنجاب میں اردو" ص ۲۱۲۔

۲- "پنجاب میں اردو"، ص ۲۱۳۔

۳- "ہندوستانی لسانیات"، ص ۱۳۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی مختلف ھیں۔ ان کے نزدیک "سے" اور "سیں" سنکرت "سھتیں" سے ماخوذ ھیں۔ "سوں" کا ماخذ "سم" ھے۔ "سیتی" "سنتکیں" سے بنا ھے۔ اور "سے" وغیرہ "سنت" سے ماخوذ ھیں۔ ۱

یہاں "سے" کے ماخذ کی بحث سے پیشتر ضروری معلوم ھوتا ھے کہ شمالی ھند میں بھی اس کے استعمال اور تغیرات کا جائزہ لیا جائے۔ شمالی ھند میں بھی قدیم زمانے سے ، "سے" کے ساتھ اور کئی لغات مستعمل تھے جو بتدریج متروک ھوتے گئے اور بالآخر صرف "سے" کو باقی رکھا گیا۔ سودا کے زمانے تک "سے" کے علاوہ ایک اور لغت "سیتی" کا استعمال بھی ملتا ھے، مثلاً سودا کا یہ مصرع : آج نئیں آتی چمن سیتی صدائے بے دلاں ۔ اس وقت تحریک اصلاح زبان کے تحت یہ رجحان جاری تھا کہ اردو زبان سے دکنی الفاظ و اثرات کو دور کیا جائے اور زبان اختصار کی جانب مائل تھی۔ یہی سبب ھے کہ سودا کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے "سے" کے ساتھ دوسری لغات کا استعمال ترک ھو جاتا ھے۔ صرف ایک لغت "سیتی" کا استعمال مل جاتا ھے، مگر کمی کے ساتھ۔ سودا سے قبل ان کے استاد حاتم کے یہاں بھی "سے" کے علاوہ صرف "ستی" کا استعمال ملتا ھے، جیسے ان کا یہ مصرع : فوجیں جنوں کی دیکھ کے یکبارگی ستی۔ ۲ ان سے قبل سراج الدین علی خاں آرزو (م ۱۱۶۹ ھ) کے یہاں بھی صرف ستی دیکھنے میں آتا ھے۔ ان کا ایک مصرع ھے: سات پروانے کی الفت ستی روتے روتے۔ ان سے کچھ قبل شاہ نجم الدین آبرو (م ۱۱۵۰ ھ) کے یہاں "سے"، "سیں" اور "ستی" ساتھ

۱۔ شوکت سبزواری : "اردو زبان کا ارتقا" حاشیہ ۲۳۲۔ بحوالہ زور۔ ھندوستانی ۱۹۳۲ء، حاشیہ ۵۱۴۔

۲۔ شاہ ظہورالدین حاتم : "دیوان زادہ"، مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، لاھور ۱۹۷۵ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ ملتے ہیں ، جیسے درج ذیل مصرعے:

۱- نین سے نین جب ملائے گیا

۲- نگہ گرم سیں مرے دل میں

۳- آنکھوں ستی بہایا تب آبرو کہایا ۱

فضلی کی "کربل کتھا" (تصنیف ۱۰۴۵ھ) میں "سے" کے ساتھ "سیتی" اور "سوں" ملتے ہیں مثلاً:

۱- بچھڑا تھا اپنے باپ سے بیٹا

۲- صدق سوں اس کی روح پریک جا

۳- سر جدا تن سیتی کیا پل میں ۲

فائز-(م ۱۱۵۱ھ) ۳ کے یہاں "سے" کے علاوہ "سیتی"، "ستی" اور "سوں" مستعمل رہے- جیسے یہ مصرعے:-

۱- خاک سیتی سجن اٹھا کے کیا

۲- دیکھا ہوں زلف و رخ کی ترے جب ستی سجن

۳- جسے زلف سیں بیقراری لگے

۴- اس گلی میں قدم کرم سوں دھر ۴

۱- نورالحسن ہاشمی: "دلی کا دبستان شاعری"، لکھنو، سرفراز پریس، ۱۹۶۵ء، ص ۱۲۸؛ ۱۲۰-

۲- فضلی: "کربل کتھا" مرتبہ مالک رام و مختارالدین احمد، دھلی، سنہ ۱۹۶۵ء، ص ۸، ۵، ۷-

۳- مسعود حسن رضوی ادیب لکھتے ہیں کہ "اردو کے صاحب دیوان شاعروں میں ان سے زیادہ قدیم کوئی شاعر اب تک معلوم نہیں"- "مقدمہ دیوان فائز" دھلی سنہ ۱۹۴۶ء -

۴- فائز: "دیوان فائز" ص: ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۹-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد افضل جھنجھانوی ۱ بھی شمالی ہند کے شاعر ہیں۔ ان کا تعلق میرٹھ کے قریب ایک بستی جھنجھانہ سے ہے۔ محمد افضل اور دکن کے قدیم شاعر وجہی کا زمانہ تقریباً ایک ہے۔ افضل نے "بارہ ماسہ" یا "بکٹ کہانی" کے نام سے ایک طویل نظم لکھی۔ اس میں "سے" کے حسب ذیل لغات استعمال ہوئے ہیں:

۱۔ برھوں کی آگ سیں سینہ جراتا (جلاتا)۔
۲ جلے جیورا مرا نت آگ سیتی۔
۳۔ سونی (سنی) جب مور کی آواز بن سوں۔
۴۔ تری مکھ سے اگر اک قول پاوں (پاؤں)۔ ۲

شمالی ہند کے ایک قدیم شاعر اسماعیل امروھوی بھی ہیں۔ ان کی دو مثنویاں دریافت ہوئی ہیں جو "اردو کی دو قدیم مثنویاں" کے عنوان سے شایع ہوئی ہیں۔ ان میں ایک مثنوی "وفات نامہ بی بی فاطمہ رضہ" ہے جو ۱۱۰۵ ھجری کی تصنیف ہے۔ دوسری مثنوی "معجزۂ انار" ۱۱۲۰ ھجری کی تصنیف ہے۔ ان کی پہلی مثنوی سے چند مصرعے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں، جن سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اس وقت بھی "سے" کے پہلو بہ پہلو بہت سی دوسری لغات مستعمل تھیں جو سودا کے دور تک آتے آتے متروک ہوگئیں۔

۱۔ زر و جوھراں سے بھری ہے (یہ) تمام۔
۲۔ خدیجہ سخن یو انوں سوں سنا۔

۱۔ "مولانا شیرانی کے بقول انہوں نے ۱۰۳۵ھ میں انتقال کیا۔"
شوکت سبزواری: لسانی مسائل بحوالہ شیرانی۔ ص: ۶۸۔

۲۔ شیرانی: "پنجاب میں اردو" (قدیم نمونوں میں ہر جگہ پرانا املا برقرار رکھا گیا ہے)۔ ص: ۲۴۷، ۲۴۹، ۳۵۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ علی سیں بی بی بولیں خوش ہوئے کر
۴۔ قبر بیچ جا سکھ ستے سوئیا۔
۵۔ لے کر سوئی گھر سیتی مالک دیے۔
۶۔ بہشت تے حیدر کوں دیا کاڑ کر۔ ۱

چندر بھان برہمن بھی شمالی ہند کے ایک اور قدیم شاعر ہیں۔ ان کی پیدایش ولی سے ایک صدی پہلے ہوئی۔ ولی ۱۰۷۹ ھجری میں اور برہمن ۹۸۲ ھجری میں پیدا ہوئے۔ برہمن، شاھجہاں کے دربار کے میر منشی، فارسی کے زبردست شاعر اور نثر نگار تھے۔ انہوں نے ۱۰۷۳ ھجری میں انتقال کیا، یعنی ولی کی پیدایش سے چھ سال پہلے۔ فارسی کے ساتھ اردو میں بھی کہتے تھے۔ کہا جاتا ھے کہ شمالی ھند مں غزل سب سے پہلے انھی نے کہی۔ ان کی غزل ع خدا نے کس شہر اندر ھمن کو لائے ڈالا ھے، کو بعض محققین اردو کی اولین غزل کہتے ھیں۔ اس غزل کا ایک شعر یہ بھی ھے:۔

برھمن واسطے اشنان کے پھرتا ھے بگیا سیں،
نہ گنگا ھے نہ جمنا ھے نہ ندی ھے نہ نالا ھے۔ ۲

ان سے قبل کا نمونہ، ”چند چھند برنن کی مہیما“ میں ملتا ھے۔ اکبر کے عہد میں گنگ کوی نے ۱۵۷۲ عیسوی میں ”چند چھند برنن کی مہیما“ لکھی جو کھڑی بولی (ھندی) میں لکھی گئی۔ اس میں ”سے“ اپنی موجودہ شکل میں استعمال ھوا ھے:

۱۔ اسماعیل امروھوی: ”اردو کی دو قدیم مثنویاں“ مرتبہ نائب حسین نقوی، لاھور، ۱۹۶۹ع، ص: ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۳، ۱۱۴، ۱۱۳۔

۲۔ پنڈت برجموھن دتا تریہ کیفی: ”کیفیہ“، طبع دوم، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان۔ ۱۹۵۰ع، ص ۲۴، ۲۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اپنی اپنی مسل سے"۔ ۱

امیر خسرو شمالی ہند کے قدیم ترین شاعر ہیں (م ۷۲۵ ھ ۱۳۲۵ء)۔ امیر کا ہندی (اردو) کلام عام طور سے دستیاب نہیں۔ حافظ محمود شیرانی نے ان کی دو اردو غزلیں "پنجاب میں اردو" میں نقل کی ہیں۔ شوکت سبزواری کے قول کے مطابق "جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ یہ غزلیں ان کی نہیں، ہم ان سے لسانی نتائج نکال سکتے ہیں۔" ان دو غزلوں میں سے ایک کے بارے میں شیرانی نے لکھا ہے کہ یہ ایسی بیاض سے نقل کی گئی ہے جو تیرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں لکھی گئی۔ اس غزل میں بھی "سے" اپنی موجودہ صورت ہی میں ملتا ہے، مثال کے طور پر حسب ذیل مصرع:

جب آنکھ سے اوجھل بھیا تڑپن لگا میرا جیا - ۲

ہندوستان کی "ناگری پرچارنی سبھا" نے راول سمر سنگھ اور پرتھوی راج کے شاہی پروانوں کا پتا لگایا ہے۔ راول سمر سنگھ کے پروانے راجستھانی زبان میں ہیں، لیکن پرتھوی راج کے پروانوں سے پرانی بولی کی شکل جھلکتی ہے۔ چنانچہ بارھویں صدی عیسوی کے ایک پروانے میں "سے" کا استعمال بالکل موجودہ صورت میں ملتا ہے۔

"تم نے کاکاجی کے دوا کی آرام جئو جین کے ریہج میں راگڑ روپیہ ۵۰۰۰ تمرے آبائی گوڑے (گھوڑے) کا کھرچہ سوائے

۱۔ ڈاکٹر مسعود حسین خان: "مقدمۂ تاریخ زبان اردو"، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۱۱۹-

۲۔ حافظ محمود شیرانی: "پنجاب میں اردو"، طبع چہارم، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۱۲۴-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آویں گے۔ کھجانم سے انم کو کوئی معاف کریں گے" ۱
اس سے "سے" کے استعمال کی قدامت کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر یہ پرتھوی راج کا حقیقی پروانہ ہے تو اس سے زیادہ قدیم تحریر کا ملنا فی الحال ممکن نہیں۔ ۲

اس تمام مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شمالی ہند میں سودا کے زمانے تک "سے" کے علاوہ "سیتی" کا وجود تھا جو ان کے بعد متروک ہوگیا۔ سودا سے قبل حاتم اور آرزو کے یہاں بھی "ستی" ملتا ہے۔ آبرو کے یہاں "ستی" اور "سے" کے علاوہ "سیں" بھی ہے۔ فضلی کے یہاں یہ تینوں لغات ملتے ہیں۔ فضلی سے قبل فائز کے یہاں "سے"، "ستی" اور "سیں" کے ساتھ ساتھ "سوں" بھی نظر آتا ہے۔ فائز سے قبل اسماعیل امروہوی کی مثنوی میں "سے"، "سوں"، "سیں" اور "ستی" کے علاوہ "ستے" اور "تے" پہلو بہ پہلو استعمال ہوتے ہیں۔ چندر بھان برہمن کے یہاں "سیں"، "سوں"، "سیتی" اور "سے" پہلو بہ پہلو ملتے ہیں۔ امیر خسرو کے کلام اور پرتھوی راج کے فرمان میں صرف "سے" کا استعمال ملتا ہے۔ اس کے علاوہ "سم" اور "سن" ہندی میں ملتے ہیں۔ چند بردائی نے "سم" کو "سے" کے معنوں میں کئی جگہ استعمال کیا ہے جیسے "کہے کنتی سم کنت" (۱—۱۱) کہی سنکا وک اندر سم" (۲—۱۱۰)" بلی لگو جدھا اندر سم"

۱۔ ڈاکٹر مسعود حسین خان: "مقدمۂ تاریخ زبان اردو"، لاہور، سنہ ۱۹۶۶ء، ص ۸۰۔

۲۔ حافظ محمود شیرانی نے ان فرامین پر سے بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے اور انہیں وضعی اور جعلی قرار دیا ہے۔ دیکھیے "پرتھوی راج راسا" مطالب و تنقید و تبصرہ از حافظ شیرانی، دہلی، انجمن ترقیٔ ہند ۱۹۴۳ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲-۲۱۸)۔ پراکرت میں اس مفہوم کے لیے "سنتو" استعمال ہوتا تھا۔۱ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ دکنی اردو میں قدیم ترین تصنیف "کدم راؤ پدم راؤ" میں "سے" بالکل اپنی موجودہ صورت میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے ساتھ تمام دوسری لغات بھی ملتی ہیں، یعنی "تھے"، "تھیں"، "سوں"، "تے"، "سیتی" اور "سیتیں"۔ یہ ۸۲۵ھ - ۸۳۹ھ کی بات ہے۔ اس کے بعد وجہی کے یہاں "سے" کے ساتھ، دوسری لغات بھی ملتی ہیں البتہ "سیں" نہیں ملتا۔ کمال خاں رستمی کے یہاں "تے"، "سوں"، "تھے"، "سیتی" اور "ستی" استعمال ہوئے، "تھیں" اور "سیں" نہیں۔ حسن شوقی کے یہاں "تے" "تھے"، "سوں" اور "سیتی" قلی قطب شاہ کے یہاں "سے" "تھے"، "سیتی" اور "سوں" کا استعمال ملتا ہے۔ "تے"، "تھیں"، "سیں" اور "سیتیں" کا وجود نہیں۔ قاضی محمود بحری کے یہاں "سوں"، "سیتی" اور "تے" ملتا ہے، دوسری لغات نہیں۔ جب کہ ولی کے یہاں "ستی"، "سوں"، "سیتی" اور "سے" باقی رہ جاتا ہے۔ "تے"، "تھے"، "سیں"، "تھیں"، "ستے" اور "ستیں" کا استعمال ان کے یہاں نہیں ملتا۔

ولی ۱۱۱۲ ہجری میں دھلی آئے اور ۱۱۳۲ ہجری میں ان کا دیوان یہاں پہنچا۔ ان کے اثر سے شمالی ھند میں اردو شاعری کا زور شور سے چرچا ہوا۔ شعرائے ان کی غزلوں پر غزلیں کہیں۔ حاتم نے تو اردو شاعری میں انھیں اپنا استاد مانا ہے۔ یہاں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شمالی ھند کے شعرائے ولی کی زبان (دوسرے لفظوں میں دکنی اردو کی خصوصیات) کو بھی شعوری اور لاشعوری طور پر قبول کیا ہو۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ شمالی ھند میں اردو کے

۱۔ شوکت سبزواری: "اردو زبان کا ارتقا"، ڈھاکہ، ۱۹۵۶ع، ص ۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو تحریری نمونے ملتے ہیں ان میں سے بعض ولی کی دہلی آمد سے بہت پہلے کے ہیں اور ان میں "سے" کے علاوہ بعض ایسی لغات استعمال ہوئی ہیں جو دکنی و گجراتی اردو میں بھی استعمال ہوتی رہیں، مثلاً افضل جھنجھانوی کے یہاں "سیں"، "سوں" اور "سیتی" کا استعمال۔ چندر بھان برہمن کے یہاں "سیں" اور ان کے بعد، اسماعیل امروہوی کے یہاں "سے" "سوں"، "سیں" اور "سیتی" کے علاوہ "ستے" اور "نے"، کا استعمال، ان کے بعد فائز کے یہاں "سے" "ستی"، "سیں" اور "سوں" ہے۔ گویا شمالی ہند کی اردو میں دکنی اثرات ولی کی آمد سے قبل ہی راہ پاچکے تھے۔ اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ ولی کی آمد سے پہلے بھی شمالی ہند اور دکن کے درمیان آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا جس کی وجہ سے دونوں جگہ کی اردو ایک دوسرے سے اثر پذیر ہوتی رہی۔

ابتدا میں اردو شمالی ہند سے دکن پہنچی اور وہاں شاہان دکن کی سرپرستی میں اس نے نشو و ارتقا پایا۔ اس کے بعد جب اردو کے باب میں دوبارہ شمالی ہند کو مرکزیت حاصل ہوئی تو یہاں کے شعرا کی توجہ اصلاح زبان کی جانب ہوئی، تاکہ اس سے غیر اردو اثرات کو دور کیا جائے اور تراش خراش کر زیادہ شستہ و شایستہ بنایا جائے۔ اخذ و قبول اور ترک و انتخاب کا مرحلہ درپیش ہوا۔ حاتم کے زمانے میں یہ رجحان بہت واضح ہے۔ انہوں نے اصلاح زبان کی جانب توجہ کی۔ جس کے نتیجے میں بہت سے حروف و الفاظ و مرکبات متروک قرار دیے گئے۔ انھی حروف میں حرف جر "ستی" اور "سیتی" بھی شامل ہے۔ اسے متروک قرار دے کر صرف "سے" کو برقرار رکھا۔ ۱

۱۔ ظہورالدین حاتم : "دیوان زادہ"، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۴۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البتہ اس زمانے میں اس پر سختی سے عمل نہیں کیا گیا. یہی وجہ ہے کہ خود حاتم اور ان کے معاصرین کے علاوہ بعد کے زمانے میں بھی یہ استعمال بدستور جاری رہا۔ چنانچہ خود حاتم کے شاگرد سودا کے کلام میں بھی اس کا استعمال مل جاتا ہے لیکن نسبتاً کم۔

سراج الدین علیخاں آرزو اور مرزا مظہر جان جاناں نے بھی اصلاح زبان کی طرف توجہ کی۔ ان کے دور میں جو اصلاحات ہوئیں ان کا ذکر مرزا جان طپش نے "دیباچہ کلیات مرزا جان طپش" میں کیا ہے۔ اس میں انہوں نے جہاں اور متروکات و تصرفات کا ذکر کیا ہے وہاں ایک یہ تصرف بھی لکھا ہے کہ بعض لفظوں میں سے حروف کا گرادینا مثلاً "ستی" جو "سے" کے معنے میں مستعمل تھا اس کی "ت" گرادی گئی اور فقط "سے" کو اسی معنے میں تسلیم کرلیا گیا۔ ۱ یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ "ستی" کی "ت" گرانے سے "سی" باقی رھتا ہے نہ کہ "سے"۔ دوسرے یہ کہ "ستی" کے پہلو بہ پہلو قدیم دور ھی سے اردو میں "سے" موجود تھا، لہذا اسے وضع کرنے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔

انشاءاللہ خان انشائے ۱۲۱۲ھ - ۱۸۵۸ع میں اپنی مشہور کتاب "دریائے لطافت" لکھی- انہوں نے لکھا ہے کہ اردو میں مجروری حالت کے لیے میر و مرزا کے عہد تک "سے" کے ساتھ اس کی مندرجہ ذیل شکلیں مستعمل تھیں :

۱- سیں (بیائے مجہول) سیں (بیائے معروف) ھندو بولتے تھے۔

۲- سوں، سادات بارھہ کی اولاد کی زبان تھی۔

۱- ڈاکٹر وجاہت حسین عندلیب شادانی کا مضمون۔ "اردو زبان کی ابتدا۔" (کلیات طپش کا دیباچہ از مرزا جان طپش) شایع شدہ "اردو"، کراچی ، اکتوبر ۱۹۴۹ع-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ ستی (س مکسوری معروف) سیتی (یائے اول مجہول) قدمائے اردو کی زبان پر تھا۔ ۱

مشہور مستشرق جان گلکرسٹ نے اردو زبان کی قواعد سے متعلق اپنا "رسالہ گلکرسٹ" لکھا۔ جو ۱۸۲۰ع میں ھندوستانی پریس کلکتہ سے شایع ھوا۔ اس میں گلکرسٹ نے حروف کی بحث کے ذیل میں مجروری "سے" اور اس کی دو ایک لغات "سی"، "سوں" اور "ستی" کا ذکر کیا ھے۔ ۲ گویا "رسالہ گلکرسٹ" کے زمانۂ تصنیف کے وقت تک یہ لغات بدستور مستعمل تھیں۔ البتہ اس زمانے میں ان لغات کے ترک کا خیال پیدا ھوچکا تھا جس کا ثبوت حاتم کے دیباچہ دیوان زادہ اور مرزا جان طپش کے دیباچے سے ملتا ھے۔

اصلاح زبان کے سلسلے میں ناسخ کا نام اردو میں ھمیشہ باقی رہے گا۔ انھوں نے زبان اردو میں جو اصلاحات کیں ان کی ایک طویل فہرست صغیر بلگرامی نے اپنے تذکرے "جلوۂ خضر" میں دی ھے۔ اس میں مجروری "سے" کا ذکر بھی ھے اور یہ صراحت کی گئی ھے کہ میر و سودا کے زمانے میں "سے" کے علاوہ "سیتی" اور "سیتے" کا استعمال ھوتا تھا۔ اسے ناسخ نے بالکل ترک کردیا اور صرف ایک لغت "سے" کو برقرار رکھا۔ ۳

۱۔ شوکت سبزواری: "داستان زبان اردو" ص ۱۴۰۔ بحوالہ انشاء دریائے لطافت۔

۲۔ ڈاکٹر گلکرسٹ: "قواعد زبان اردو" مشہور بہ رسالہ گلکرسٹ۔ لاھور، ۱۹۶۲ع، ص ۴۵۔

۳۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی: "لکھنؤ کا دلبستان شاعری" لاھور، ۱۹۶۷ع، ص ۴۳۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غرض میر و سودا کے بعد "سے" کے دوسرے لغات کا استعمال متروک ہوگیا۔ "سے" کو برقرار رکھنے کا سبب یہ ہے کہ یہ اردو کی اپنی، چیز ہے۔ اسے کسی دوسری زبان سے نہیں لیا گیا۔ نہ یہ "سے" کی دوسری لغات کی مغیرہ صورت ہے۔ یہ بالکل ابتدا ہی سے اسی صورت اور انہی معنوں میں مستعمل رہا ہے۔ دوسری لغات آس پاس کی زبانوں کے اثرات کا نتیجہ تھے، لہذا ترک کردیے گئے۔

دوسری زبانوں میں حرف "سے" کی حسب ذیل شکلیں ہیں:

بنگالی: ہوئتے۔ تیں　　　　پنجابی: تیں۔ تھیں۔ تھوں

سندھی: کھاں، کھوں، تاں، توں۔　　گجراتی: تھی

مرھٹی:۔ ھوں　　　　چلپاوِنی:۔ سن، سین

مالوائی:۔ سوں　　　　برج بھاشا:۔ تے

اردو "سے" ان میں سے کسی سے بھی جوڑ نہیں کھاتا۔ اردو میں "سے" ساتھ کے معنوں میں ہے، اس کے ہم معنی حروف دوسری زبان میں یہ ہیں:

برج:۔ سوں　　　　جدید مرھٹی:۔ س

قدیم مرھٹی:۔ سی یا سیں　　　　گجراتی:۔ شوں یا شیوں

قدیم ھندی:۔ سوں　　　　سندھی:۔ سیں، ساں۔ ۱

ان میں سے کسی ایک کو بھی "سے" کا ماخذ نہیں ٹھہراسکتے۔ البتہ یہ تمام لغات چونکہ دوسری زبانوں میں مجروری "سے" کے معنوں میں مستعمل تھے، لہذا ممکن ہے کہ یہ سب غالباً کسی ایک قدیم حرف سے بنے ہوں۔ یا ان کا ماخذ ایک ہو، پھر علاقائی اثرات نے

۱۔ شوکت سبزواری: "لسانی مسائل" طبع اول، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۲ع، ص: ۵۱، ۵۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی ظاھری صورت تبدیل کردی ھو۔ یہ حرف کیا رھا ھوگا اس سلسلے میں مشھور ماھر لسانیات، شوکت سبزواری کا کہنا ھے کہ اردو "سے" اور اس کے ھم معنی تمام حروف کی اصل ایک اور قدیم حرف "سم" ھے۔ یہ حروف سب ایک اصل سے پھوٹی ھوئی شاخیں ھیں۔ اس لیے ایک دوسری سے اتنی مشابہ ھیں۔ ۱

ساخذ کی بحث ۲

"سے" کے مختلف لغات کا ساتھ ساتھ استعمال بتاتا ھے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں ۳ پاس پڑوس کی زبانوں سے یہ اردو میں چلے آئے۔ شوکت صاحب کے خیال میں "سے" پنجابی یا برج سے سولہویں صدی عیسوی کے لگ بھگ دکنی اردو میں آیا اور "تھیں"، پنجابی یا گجراتی سے۔ ھماری زبان کا اصل کلمہ "سے" یا "سیں" ھے "سے" یا "سیں" کی اصل ھے (سم)۔ جو سنسکرت متعلق فعل (سنم) سے ماخوذ ھے ۴ اس کا ایک روپ "سن" بھی تھا۔ سم یا سن کے معنے "ساتھ" کے ھیں۔ اول اول "سے" اردو میں ساتھ کے معنے

۱۔ ایضاً، ص ۵۲۔

۲۔ شوکت سبزواری: "اردو زبان کا ارتقا" ڈھاکہ، سنہ ۱۹۵۶ع، ص ۲۳۳ تا ۳۲۶ ملخصاً۔

۳۔ اس حقیقت کو زور نے بھی تسلیم کیا ھے چنانچہ وہ "سے" اور "سیں" کو سنسکرت "ستھیں" سے ماخوذ مانتے ھیں، "سوں" کو "سم" سے، "سیتی" کو "سنتکیں" سے اور "نے" وغیرہ کو "سنت" سے (ھندوستانی سنہ ۳۲ع، ص ۵۱۴۔)

۴۔ شوکت سبزواری: "اردو زبان کا ارتقا" ڈھاکہ سنہ ۱۹۵۶ع، بحوالہ بھنڈ۔ ج ۲، ص ۱۲۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتا تھا۔ لاٹھی سے یعنی لاٹھی کے ساتھ۔ "میں نے زید سے کہا" کا مفہوم تھا "میں نے زید کے ساتھ بات کی"۔ مجروری اور آلی حالتوں میں خاص تعلق ہے او۔ "پالی" میں ان کے لیے علامتیں بھی ایک جیسی ہیں۔ اس لیے "سے" جو "آلے" کے لیے وضع ہوا تھا مجروری حالت میں استعمال ہونے لگا۔ اس کے تغیرات بھنڈارکر نے یہ بتائے ہیں:-

"سم" اول (ساں) ہوا۔ اس لیے کہ سنسکرت اسماء کا "م" حرف علت اور "ں" غنہ سے بدل جاتا ہے۔ تلحین (لحن کے لیے) جب (ی) اس پر اضافہ ہوئی تو (سیں) بنا۔ "سیم" سے "سیں" اور پھر "سے"۔ "ی" کی جگہ "واؤ" اضافہ ہوا تو (سوں) ہوا۔ اس طرح اردو کے یہ تین کلمات بنے۔ سوں۔ سیں۔ سے ۱ بھنڈارکر کے بتائے ہوئے تغیرات یہ ظاہر کرتے ہیں گویا "سے" سوں اور سیں کی ترقی یافتہ صورت ہے یعنی "سوں" اور "سیں" سے ڈھلی ہوئی صورت۔ حالانکہ اردو ادب کے مختلف ادوار میں "سے" کے استعمال کا جو مطالعہ اوپر درج کیا جاچکا ہے اس سے بھنڈارکر کے خیال کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ "سے" اس وقت سے اردو میں استعمال ہوتا رہا ہے جس وقت سے ادب اردو کے نمونے دستیاب ہوتے ہیں۔ لہذا "سے" سوں اور سیں سے ماخوذ نہیں ہوسکتا۔

ہورنلے بھی بھنڈارکر کی رائے سے متفق نہیں ہیں۔ وہ "سے" "سیں" وغیرہ کو (سنتو) سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ سنتو کا اصل روپ سنتو ہے جو "آس" (ہونا) سے اسم حالیہ ہے۔ "سوں"، ان کے خیال میں "سنتو" سے لیا گیا اور "سے" اور "سیں" اس کے ایک فرضی روپ

۱- ایضاً: بحوالہ بھنڈارکر، ص ۲۵۱-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"سنتو" سے ۔ جو غالباً "هنتو" پر قیاس کر کے وضع کرلیا گیا تھا۔ ۱

کیلاگ نے اپنی گرامر کے پہلے ایڈیشن میں "سے" کا ماخذ (سسے) کو قرار دیا تھا جو (سَ) کی اضافی حالت ھے۔ پراکرت میں ایک (س) گرا تو (سے) باقی رھا۔ اگرچہ دوسرے ایڈیشن میں کیلاگ نے اس خیال سے رجوع کرلیا اور اس کی جگہ "سنگیے" (ساتھ) کو "سے" کا ماخذ ٹھہرایا۔ ۲

سنسکرت علامت اضافت (سے) اور اردو (سے) دونوں کی اصل (سَ) ھے۔ قدیم آریائی زبان میں "س" اور "چ" ایک دوسرے کی جگہ استعمال ھوتے تھے۔ سنسکرت "چ" (بمعنی اور) غالباً "س" ھی کا ایک روپ ھے۔ جولس بلاک نے لکھا ھے کہ "س" اور "ش" کا "چ" اور چھ" سے تبادل "ھند آریائی" زبانوں میں قدیم سے ھے۔ ۳ اس کے علاوہ ولنر کہتے ھیں کہ سنسکرت فعلی صورتوں کا "چچھ" "ھند یورپی" زبانوں میں "سک" تھا۔ ۴ فارسی "از" قدیم فارسی کا "ھچ" ھے۔ ۵ سنسکرت (چ) اور قدیم فارسی "ھچ" ایک ھیں۔ "ز" جدید فارسی میں بطور علامت اضافت مستعمل ھے۔ "ازمن" یا "زمن" کے معنے ھیں "میرا" (یا مجھ سے)۔ "از" اور "سے" اصل اور معنے دونوں کے اعتبار سے ایک ھیں۔ جس طرح "از" مجروری اور اضافی دونوں حالتوں کے

۱۔ ایضاً: بحوالہ ھورنلے۔ گرامر ص ۲۲۸۔

۲۔ شوکت سبزواری: "اردو زبان کا ارتقا"، ڈھاکہ، سنہ ۱۹۵۶ع، بحوالہ کیلاگ۔

۳۔ ایضاً: بحوالہ مرھٹی زبان ص ۱۱۱۔

۴۔ ایضاً: بحوالہ ولنر، مبادی پراکرت ص ۶۳ حاشیہ۔

۵۔ ایضاً: ص ۲۳۴، بحوالہ فارسی گرامر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے استعمال ہوتا ہے۔ "سے" بھی کسی زمانے میں دونوں کے لیے مستعمل تھا۔ لیکن اردو میں اب وہ صرف مجروری معنے دیتا ہے۔ اور اس کا اضافی مفہوم، امتداد زمانہ اور ارتقائے لسان کے زیر اثر فراموش ہو گیا ہے۔

پلیٹس، "سے" کو "سہ" سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ ۱ "سہ" کا "س" فارسی میں "ہ" سے بدل گیا۔ ۲ اس صورت میں فارسی "ہچ" اور سنسکرت "سہ" ایک نظر آتے ہیں۔ "سچ" "س" اور "چ" سے مرکب ہے اور دونوں ہم معنے ہیں۔ اس لیے یہ کلمہ دوہرا یا مرکب لاحقہ ہے۔ قدیم اردو میں "چا" بطور لاحقہ اضافت مستعمل تھا جو آج مرہٹی میں ہے۔ غالباً وہ قدیم ابدال کی ایک نشانی ہے۔ ۳

"تے" کی اصل سنسکرت علامت "تس" ہے جو اسما کے آخر میں ابتدا ظاہر کرنے کے لیے اضافہ کی جاتی تھی۔ جیسے نگرتہ (شہر سے) گرہتہ (گھر سے) ۴ بھنڈارکر اسے اپ بھرنش "تہیں" (لیے) سے ماخوذ بتاتے ہیں اور ہورنلے "تیرتے" سے۔ ۵ اس صورت میں مجروری حالت کو مفعول ثانوی حالت سے ماخوذ ماننا پڑے گا۔ جس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ "سے" اور "تے" کی ترکیب سے "سیتے" اور "ستے" وجود میں آئے۔ یہ دوہرے لاحقے ہیں اور دوہرے لاحقے ہماری زبان میں

۱۔ ایضاً: ۲۳۵، بحوالہ اردو گرامر، پلیٹس۔

۲۔ ایضاً: ص ۲۳۵، بحوالہ مقدمہ آدی گرنتھ، ٹرمپ۔

۳۔ شوکت سبزواری: "اردو زبان کا ارتقا"، ڈھاکہ، ۱۹۵۶ء، ص ۲۳۵ بحوالہ مقدمہ "آدی گرنتھ" ٹرمپ۔

۴۔ ایضاً، ص ۲۳۵۔ بحوالہ بیمز، ج ۲، ص ۲۷۳۔

۵۔ ایضاً: ۲۳۵ بحوالہ بھنڈارکر، ص ۲۵۴۔ و۔ ہورنلے ص ۲۲۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ "ستے" سنسکرت لاحقہ (ستات) سے بنا ہو۔ یہ لاحقہ سنسکرت میں "سے" کے معنے دیتا تھا۔ جیسے ادھستات (نیچے سے) پرستات (آگے سے) ۱ جس طرح "تس" سے "تے" بنا، "ستات" سے "ستے" وجود میں آیا۔ پراکرت مجروری لاحقہ جمع (تو) اور (سو) کی ترکیب سے "سنتو" وضع کیا گیا جس میں "تو" مجروری تھا اور "س" ظرفی۔ عجب نہیں کہ "ستے" بھی "س" اور "تے" کی ترکیب سے "سنتو" کی مثال پر گھڑلیا گیا ہو ۲

"تھے" اور "تھیں" کی اصل "ستے" ہے۔ یہ اگر پنجابی اور گجراتی سے درآمد نہیں ہوئے تو کسی قدر بعد کی پیداوار ہیں یا یوں کہیے کہ "ستے" سے متاخر ہیں۔ "س" اور "ت" ملکر ہماری جدید بولیوں میں "تھ" ہوئے جیسے ہاتھ (سنسکرت ہست)۔ ہاتھی (سنسکرت ہستی) ہاتھی (سنسکرت ہستی)۔ "تھے" اس صوتی میلان کا نتیجہ ہے۔ بھنڈارکر "تھے" کو (تھیں) کا مولود بتاتے ہیں۔ "تھیں" پراکرت ہے اور "تت" (وہ) کی ظرفی حالت ہے۔ صوتی لحاظ سے تو اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن معنی اور مفہوم کے اعتبار سے مجروری "تھیں" کو ظرفی "تھیں" سے نکالنا کچھ مناسب نظر نہیں آتا۔ ۳ ان مختلف لغات و کلمات کی تاریخی ترتیب اس طور پر ہے :

---

۱ ایضاً: ۲۳۵ بحوالہ وھٹنی۔ سنسکرت گرامر۔

۲ ایضاً: ص ۲۳۵، ص ۲۳۶۔

۳ بابو رام سکسینہ نے "سے" کو "سہتیں" سے، "سوں" کو "سم" یا "سمین" سے "میتیں" کو "سنتکیں" سے، اور "تے" کو "تتیں" سے نکالا تھا۔ ڈاکٹر زور نے سکسینہ کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ اودھی کا ارتقا۔ ص ۲۲۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) سے (پرتھی راج کے پروانے، چند چھند برنن کی مہیما اور امیر خسرو کے یہاں)۔

(۲) سیں (چندر بھان برھمن کے یہاں)۔

(۳) سے - سیں - سوں - سیتی - (افضل جھنجھا نوی)۔

(۴) سے - سیں - سیتی - سوں - ستے اور تے (اسماعیل امروھوی)۔

(۵) سے - سیں - سیتی - سوں - ستی (فائز)۔

(۶) سے - سیتی - سوں (فضلی)۔

(۷) سے - سیں - ستی (آبرو)۔

(۸) سے - ستی - (آبرو، حاتم، سودا)۔

(۹) سے - (سودا کے بعد کا دور)۔

شمالی ہند میں "سے" اور اس کی مختلف لغات کی مندرجہ بالا صورت تھی- انشا نے "دریائے لطافت" میں شمالی ہند کے مختلف علاقوں کی بول چال لکھی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ اردو میں مجروری حالت کے لیے میر و مرزا کے عہد تک "سے" کے ساتھ اس کی حسب ذیل شکلیں رائج تھیں (ان کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے):

(۱) سیں (بیائے مجہول) سیں (بیائے معروف) ہندو بولتے تھے۔

(۲) سوں - سادات بارھہ کی اولاد کی زبان تھی۔

(۳) ستی (س مکسوری معروف) سیتی (یائے اول مجہول) قدماء اردو کی زبان پر تھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ "سیں" "سوں" اور "ستی" بھی شمالی ہند کی بول چال کی زبان میں شامل تھے۔ بنجمن شلزے[۱] نے بول چال

۱- بنجمن شلزے نے (اسکا دور اٹھارھویں صدی کا نصف اول ہے) ۱۷۴۱ء میں "ھندوستانی گرامر" مرتب کی۔ اس نے "سے" کے

(باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۴۰ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی زبان کے نمونے سامنے رکھتے ہوئے ۱۷۴۱ء میں اپنی قواعد "ھندوستانی گرامر" مرتب کی اور یہ عہد دھلی میں محمد شاہ (۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء) کا ھے۔ اس میں اس نے "سے" کے علاوہ "ستی" "ستے" اور "سوں" کا بھی اندراج کیا ھے، مگر "سے" کا استعمال زیادہ عام ھے۔

"سے" کی بعض دوسری لغات مثلاً "سیں" اور "سوں" کا نون غنہ ایسی چیز ھے جو بعض دوسرے کلمات کے آخر میں بھی لاحق ھوا کرتا تھا۔ شوکت سبزواری نے لکھا ھے کہ " قدیم اردو کے بہت سے کلمات کے آخر میں "ں" (نون غنہ) ھوا کرتا تھا۔ نون غنہ بے جان تھا اور امتداد زمانہ کے اثر سے اپنی افادیت ضایع کرچکا تھا، اس لیے نیرنگی دوراں کی نذر ھوا۔ اردو والے "نے" کو "نیں"، "سے" کو "سیں"، "کو" کو "کوں"، "کرنا" کو "کرناں" بولا اور لکھا کرتے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۳۹ کا)

ساتھ دوسری لغات ستی، ستے اور سوں کا اندراج کیا ھے اور عام بول چال کی زبان کے نمونے دیے ھیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کو یہ اعتراض ھے کہ بنجمن شلزے اس زبان کی طرف توجہ نہیں کرتا جو ان شاعروں اور نثر نگاروں کی کوششوں سے پروان چڑھی تھی بلکہ وہ عام بول چال کی زبان کے جو نمونے پیش کرتا ھے وہ اس زمانے کی معیاری بول چال کے نمونے شکل سے کہے جاسکتے ھیں"۔

بنجمن شلزے : "ھندوستانی گرائمر"، مرتبہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، طبع اول، لاھور، ۱۹۷۷ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ ۱ انشاء کا کہنا ہے کہ "یہ شاہجہاں آباد (دہلی) کی زمین کا فیض ہے کہ کلمے کے آخر سے "ں" غنہ کا دم چھلا اڑ گیا۔ ورنہ سادات بارہہ کے پرانتم بزرگ جو اپنے وطن میں رہے "کو" کو "کوں" بولتے تھے"۔ ۲ قیاس کہتا ہے کہ "سیں" اور "سوں" درحقیقت "سے" اور "سو" تھے۔ "سے" کی "ی" علاقائی فرق کے باعث کہیں واؤ سے بدل گئی اور "سو" ہوگیا۔ بعد میں جب شاہجہاں آباد کی زبان کو ٹکسال کی سند حاصل ہوگئی تو "سو" بھی باقی نہ رہا، صرف "سے" رائج و برقرار رہا۔ دوسرا قیاس یہ ہے کہ "سوں" قدیم ہندی میں موجود تھا وہاں سے بعینہ اپنا لیا گیا اور اصلاح زبان کی تحریک کے زیر اثر بعد کو اسے ترک کردیا گیا۔ ۳

"تے" تا "تی" برج بھاشا میں مستعمل تھا غالباً اس سے کھڑی بولی (اردو) میں در آیا۔ کہیں یہ اپنی اصل صورت میں رہا اور کہیں "سے" یا "س" کے اضافے سے "ستے" اور "ستی" کی شکل میں استعمال ہوتا رہا۔ دکن میں اس کی موجودگی شمالی ہند کے

۱۔ شوکت سبزواری : "داستان زبان اردو" ص : ۱۴۸۔

۲۔ ایضاً ص ۱۴۸ بحوالہ انشا۔ دریائے لطافت۔

۳۔ یہ زیادہ ترین قیاس معلوم ہوتا ہے اگر ہم یہ مان لیں کہ "سے" کا ماخذ "سم" یا "سنم" ہے تو بقول شوکت سبزواری، سنسکرت کا "م" حرف علت سے اور "نون" "غنہ" سے بدل جاتا ہے۔ اس اعتبار سے "سم" کا "میم" "واؤ" سے بدلا اور نون غنہ اس کے بعد لاحق کیا گیا (سنم میں نون غنہ موجود ہے) تو "سوں" ہوگیا۔ یہی "میم" کسی علاقے میں "ی" (حرف علت) سے بدلا تو "سیں" ہوگیا۔

۴۔ "ستے" اور "ستی" کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ

(باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۴۲ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اثرات کا نتیجہ بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہاں کے آس پاس کے علاقوں میں "تے" یا "ستے" کا وجود نہیں، جس کے اثر سے دکن میں اس کے وجود کا امکان ہوسکتا۔

کتابیات

۱۔ ابن نشاطی: "مثنوی پھولبن"، مرتبہ شیخ چاند ابن حسین، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۱۹۵۵۔

۲۔ اسماعیل امروہوی: "اردو کی دو قدیم مثنویاں"، مرتبہ نائب حسین نقوی، لاہور، ۱۹۶۹۔

۳۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر: "لکھنؤ کا دبستان شاعری"، طبع موم، لاہور، اردو مرکز، ۱۹۶۷۔

۴۔ بحری، قاضی محمود: "کلیات بحری"، مرتبہ ڈاکٹر سید محمد حفیظ، لکھنو، ۱۹۳۹۔

۵۔ بنجمن شلزے: "ہندوستانی گرامر"، مرتبہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، لاہور، ۱۹۷۷۔

۶۔ حسن شوقی: "دیوان حسن شوقی"، مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۱۹۷۱۔

۷۔ حفیظ قتیل، ڈاکٹر: "معراج العاشقین کا مصنف" حیدرآباد دکن، ۱۹۶۸۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۴۱ کا)

قدما میں پایۓ معروف و مجہول کے درمیان تفریق روا نہ تھی اس لحاظ سے یہ املائی فرق کہا جاسکتا ہے کہ کبھی پایۓ معروف سے "ستی" اور کبھی یائے مجہول سے "ستے" لکھا گیا۔ چنانچہ "سب رس" میں ہر جگہ "تے" کے بجائے "تی" استعمال ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸- حاتم، شاہ ظہورالدین : "دیوان زادہ"، مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، لاہور، مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۵ -
۹- رستمی، کمال خاں بیجاپوری : "خاور نامہ"، مرتبہ شیخ چاند ابن حسین، کراچی، ترقیٔ اردو بورڈ، ۱۹۶۸ء
۱۰- رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر : "اردو نثر کا آغاز و ارتقا"، پاکستانی ایڈیشن، کراچی، کریم سنز، ۱۹۷۸ -
۱۱- زور، محی الدین قادری، ڈاکٹر : "ہندوستانی لسانیات"، لاہور، مکتبہ معین الادب، ۱۹۶۱ء -
۱۲- زور، محی الدین قادری، ڈاکٹر : "دکنی ادب کی تاریخ" کراچی، اردو اکادمی سندھ، ۱۹۶۰ -
۱۳- شوکت سبزواری، ڈاکٹر : "اردو زبان کا ارتقا"، طبع اول، ڈھاکہ، پاک کتاب گھر، ۱۹۵۶ -
۱۴- شوکت سبزواری، ڈاکٹر : "لسانی مسائل"، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو، پاکستان، ۱۹۶۲ -
۱۵- شوکت سبزواری، ڈاکٹر : "داستان زبان اردو"، کراچی، مکتبہ اسلوب، ۱۹۶۶ء -
۱۶- شمس اللہ قادری : "اردوئے قدیم"، لکھنو، نولکشور، ۱۹۳۰ -
۱۷- عبدالحق، مولوی : "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیا کرام کا کام"، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان ۱۹۵۳ -
۱۸- فائز دہلوی : "دیوان فائز"، مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب، دہلی، ۱۹۴۶ -
۱۹- فضلی : "کربل کتھا" مرتبہ مالک رام و مختار الدین احمد، دہلی، ۱۹۶۵ء
۲۰- کیفی، پنڈت برج موہن دتا تریہ : "کیفیہ"، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۱۹۵۰ء -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱۔ گلکرسٹ، جان: "قواعد زبان اردو مشہور بہ رسالۂ گلکرسٹ" مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی، لاہور، ۱۹۶۲ء۔

۲۲۔ مخدوم شاہ حسینی بیجاپوری: "معراج العاشقین" (منسوب بہ گیسو دراز رح)، مرتبہ تحسین سروری، کراچی، ۱۹۶۲ء۔

۲۳۔ محمد قلی قطب شاہ: "کلیات محمد قلی قطب شاہ" مرتبہ محی الدین قادری زور، حیدرآباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ ۱۹۴۰ء۔

۲۴۔ ملاوجہی: "مثنوی قطب مشتری"، مرتبہ مولوی عبدالحق، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۱۹۵۳ء

۲۵۔ ملاوجہی: "سب رس"، مرتبہ مولوی عبدالحق، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۱۹۷۷ء۔

۲۶۔ محمود شیرانی، حافظ: "پنجاب میں اردو" طبع چہارم، لاہور، ۱۹۷۲ء۔

۲۷۔ مسعود حسین خان، ڈاکٹر: "مقدمۂ تاریخ زبان اردو" لاہور، ۱۹۶۶ء۔

۲۸۔ محمود شیرانی، حافظ: "پرتھوی راج راسا"، دھلی، انجمن ترقیٔ اردو ہند، ۱۹۴۳ء۔

۲۹۔ نظامی، فخر دین: "مثنوی کدم راؤ پدم راؤ"، مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی، طبع اول، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان

۳۰۔ نورالحسن ہاشمی: "دلی کا دبستان شاعری"، لکھنو، سرفراز پریس، ۱۹۶۵ء۔

۳۱۔ ولی: "کلیات ولی"، مرتبہ سید نورالحسن ہاشمی، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو، پاکستان، ۱۹۵۴ء۔

۳۲۔ وھٹنے، ولیم وائٹ: "سنسکرت گرامر" (انگریزی) آکسفورڈ، ۱۸۵۰ء۔

(منظور شدہ تحقیقی مقالے سے ماخوذ)

© rasailojaraid.com